58

ہر احمدی قیامِ امن کے لئے جدوجہد کرے

(فرمودہ یکم جولائی ۱۹۳۲ء)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

چونکہ مجھے جمعہ کی نماز کے معاًبعد اپنی آنکھوں کا معائنہ کرانے کے لئے راولپنڈی جانا ہے اس لئے میں جمعہ اور عصر کی نماز آج جمع کراؤں گا- امارت کا سلسلہ جس طرح پہلے ڈلہوزی کے سفر میں تھا اسی طرح رہے گا- یعنی مولوی سرور شاہ صاحب مقامی جماعت کے امیر ہوں گے- میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ پھر اگلے جمعہ سے پہلے لاہور سے ہوتے ہوئے جہاں کشمیر کمیٹی کا جلسہ ہے' قادیان پہنچ جاؤں گا اور اگلا جمعہ میں انشاء اللہ خود پڑھاؤں گا- میری صحت تو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میں پہاڑ سے جو ٹھنڈی جگہ تھی گرمی میں آکر کوئی طویل خطبہ پڑھوں اور بیماری کے اثرات جو اَب تک باقی ہیں اس ارادہ میں حائل ہیں- رات کے وقت تھوڑی ہی دیر سونے کے بعد میں جس کروٹ بھی لیٹتا درد سے بے تاب ہو جاتا- چنانچہ رات کا اکثر حصہ میں نے جاگتے اور کروٹیں بدلتے کاٹا- لیکن میں سمجھتا ہوں جس مضمون کے متعلق آج میں کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں' اس کے لئے زیادہ دیر مضر ہوگی اور بنی نوع انسان کے حقوق کی حفاظت جو میرے ذمہ ہے اس کے لحاظ سے میرا فرض ہے کہ میں اپنے خیالات جلد ظاہر کردوں-

میں نے متواتر اپنی جماعت کے دوستوں کو اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ دنیا میں تمام چیزیں مذہبی یا غیر مذہبی نہیں ہوتیں اور تمام چیزیں دینی یا دنیوی نہیں ہوتیں بلکہ ان کے درمیان بھی مدارج ہیں جن کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا- ان مدارج پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بعض دینی باتیں ایسی ہیں کہ وہ ایک رنگ میں دنیاوی ہو جاتی ہیں اور بعض دنیاوی باتیں ایسی ہیں جو

اپنے اندر دین کا ایک رنگ رکھتی ہیں۔ اسلام نے اس مدارج کے نوع کو' اس مدارج کے اختلاف کو' اس مدارج کے وسیع دائرہ کو اس قدر کھول کھول کر بیان کیا ہے کہ اگر ہم صرف اسلام کی اس خوبی کو ہی لے کر کھڑے ہو جائیں تو کوئی غیر مذہب والا اس خوبی کے لحاظ سے ہمارا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ اور در حقیقت کسی چیز سے واقف آدمی جس عمدگی سے اس خوبی سے آگاہ ہوتا ہے دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ہمارے ملک میں ایک مثل مشہور ہے کہ کوئی شخص بھوکا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ برہمنوں کی کسی جگہ دعوت ہے۔ وہ تھا تو مسلمان لیکن اس نے برہمنوں کی ذاتوں کے کچھ نام سنے ہوئے تھے۔ بھوک کی شدت کی وجہ سے کفر اس کے ایمان پر غالب آگیا اور اس نے خیال کیا چلو برہمن بن کر ہی اس وقت کھانا کھالیں۔ وہ یہ سوچ کر کھانا کھانے چلا گیا۔ لوگوں نے جب اس سے پوچھا کہ تم کون ہوتے ہو تو چونکہ اسے معلوم تھا کہ یہاں کن لوگوں کی دعوت ہے کہنے لگا برہمن۔ انہوں نے پوچھا کون برہمن۔ کہنے لگا گوڑ برہمن۔ یہ بھی اس نے کہیں سے سنا ہوا تھا۔ انہوں نے پھر پوچھا کہ کون سی گوت میں سے ہو۔ کہنے لگا کہیں گوت در گوت بھی ہوتا ہے۔ وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ بناوٹی برہمن ہے۔ انہوں نے اسے مار پیٹ کر باہر نکال دیا۔ تو ناواقف ایک چیز کو بالکل سرسری نظر سے دیکھتا ہے لیکن واقف آدمی اس کی باریکیوں سے آگاہ ہوتا ہے۔ ایک انگریز کے نزدیک ایک آم صرف ایک پھل ہے جو کھانے کے کام آتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اس کے نزدیک اس کی حقیقت نہیں۔ لیکن اس سے زیادہ واقفیت رکھنے والا جانتا ہے کہ فلاں مقام میں کس قسم کا آم ہوتا ہے اور فلاں مقام میں کیسا۔ وہ لمبی اور چھوٹی گٹھلیوں والے آموں کی اقسام بتائے گا۔ لیکن اگر ایک باغبان سے پوچھو تو وہ آم کی بیسیوں اقسام گنتا چلا جائے گا۔ اور ایک فن زراعت کا ماہر اس سے بھی باریک باتیں بیان کر سکے گا۔ غرض کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز لے لو اس میں بھی باریکیاں نکلتی آئیں گی۔ اور اس کی بھی اقسام در اقسام ہوتی چلی جائیں گی۔ اور یہ بات علم کی ترقی سے وابستہ ہے۔ جوں جوں علم بڑھتا جائے' اسی نسبت سے کسی چیز کی اقسام بھی معلوم ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ایک چاولوں کا تاجر جتنی چاولوں کی اقسام بیان کرے گا گھروں میں کھانے اور پکانے والے بیان نہیں کر سکیں گے۔ اسی طرح گیہوں کی جس قدر اقسام ہیں اگر انہیں ہی بیان کرنا شروع کر دیا جائے تو کھانے والے سن کر حیران ہو جائیں گے۔ غرض چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑی سے بڑی چیز تک کی یہی حالت ہے۔ چیونٹی کو دیکھو تو اس کی بہت سی اقسام ہوں گی۔ مٹی کا ذرہ لے لو تو اس کے بھی بہت سے اجزاء ہوں گے۔ حالانکہ عام لوگوں کے نزدیک وہ ایک ذرہ ہی

ہو گا- اور اس سے بڑھ کر اس کی کوئی حقیقت نہ ہو گی- انسانی جسم کی بناوٹ کو ہی دیکھ لو- علم الابدان کے واقف اس کی کتنی باریکیاں بیان کرتے ہیں- ہڈیوں کی اقسام' مختلف جوڑوں کا تناسب خون میں امتیاز یہ سب باتیں وہ بیان کرتے ہیں- اور اب تو یہاں تک اس علم نے ترقی کی ہے کہ ماہرین فن جسم سے خون لے کر بتادیتے ہیں کہ فلاں شخص کافلاں بیٹا ہے یا نہیں- کیونکہ خون کی اقسام ہیں جن سے جسم کے اعضاء بنتے ہیں- اور ماہرین ان کو دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں کہ اس شخص میں اس قسم کا خون موجود ہے یا نہیں- چنانچہ جرمنی میں پچھلے ایام میں ایک ریاست کافیصلہ اسی علم کی رو سے ہوا- باپ کہتا کہ فلاں میرا بیٹا نہیں- آخر جب بیٹا بننے والے کا خون دیکھا گیاتو معلوم ہوا کہ اس کے اندر خون کی ایک ایسی قسم تھی جو اس نسل کے خون میں پیدا ہی نہیں ہو سکتی تھی جس میں سے وہ شخص تھا جسے باپ کہا جاتا تھا- گورنمنٹ نے اس فیصلہ کو قائم رکھااور قرار دیا کہ یہ اس کابیٹا نہیں ہے-

غرض اللہ تعالیٰ نے دنیا کی چیزوں میں عظیم الشان تنویع پیدا کی ہے- اور قرآن مجید میں اس کا بار بار ذکر آیا ہے- اور بتایا گیا ہے کہ ہر چیز کی مختلف اقسام ہوتی ہیں- مگران اقسام کے متعلق دیگر مذاہب بالکل خاموش ہیں- اور اگر ہم اسلام کی ان تشریحات کو بیان کرنا شروع کر دیں تو اسی کے ماتحت اسلام کی عظیم الشان فضیلت ظاہر ہو سکتی ہے- مگر عام لوگ اس حقیقت سے آنکھ بند کرتے ہوئے صرف دین اور دنیا کے دو لفظ اپنے سامنے رکھتے ہیں- وہ ہر چیز کو یا تو دینی کہہ دیں گے یا دنیوی- حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ باوجود دینی ہونے کے ایک چیز دنیوی ہو سکتی ہے- اور ایک چیز دنیوی دائرہ کے اندر ہوتے ہوئے دینی بن جاتی ہے- مگر ایک ماہر فن اور روحانی عارف ہی ان باتوں کو سمجھ سکتا ہے- ناواقف آدمی ایسے مقامات پر دھوکا کھاجاتا ہے- بسااوقات حد سے زیادہ ایک دینی حکم کے قشر کی طرف چلے جانا اسے دنیاوی کام بنادیتا ہے- اور بسااوقات اگر ایک دنیاوی کام کو دینی نظر سے دیکھیں تو وہ دین کا کام نظر آتا ہے- حضرت خلیفہ اول فرمایا کرتے تھے کہ ایک مسلمان رئیس کسی طبی مشورہ کے لئے میرے پاس آئے- میرا ایک عزیز بھی پاس بیٹھا تھا- اس رئیس کا پاجامہ ذرا نیچے ڈھلکا ہوا تھا- یا نسبتاً ذرالمبا تھا- بہرحال اس پاجامے سے ٹخنے چھپے ہوئے تھے- چونکہ احادیث میں آتا ہے کہ پاجامہ اس طرح نہیں ہونا چاہئے جو ٹخنوں سے نیچے ہو، جس کا مطلب صرف یہ ہے کہ عرب میں رؤساء اپنی امارت جتانے کے لئے ایسا کیا کرتے تھے- اس زمانہ میں کپڑا کم ہوتا تھا اس لئے غرباء پر اپنی بڑائی جتانے کے لئے امیر لوگ کپڑا لٹکا کر چلا کرتے تھے- اور

چونکہ یہ کبر اور خیلاء کی علامت تھی اس لئے رسول کریم ﷺ نے اس سے روک دیا- حضرت خلیفہ اول فرماتے میرے اس عزیز نے مسواک لی اور اس رئیس کے ٹخنوں پر مار کر کہا یہ حصہ تمہارا دوزخ میں جائے گا- اس شخص کے دل میں نہ اسلام تھا نہ اسلام کی محبت باقی تھی- صرف ایک نام اسے حاصل تھا اور امید کی جاسکتی تھی کہ کسی وقت اس نام کی وجہ سے ہی اسلام کے متعلق ورثہ کی محبت اس پر غالب آجائے اور وہ حقیقی مسلمان بن سکے- مگر جب ایک بھری مجلس میں اس کے ساتھ ایسا سلوک ہوا تو اس نے کہہ دیا کس بے وقوف نے تمہیں بتایا ہے کہ میں مسلمان ہوں- یہ نتیجہ تھا اس تقشر کا' اس ظاہری چیز کی طرف مائل ہو جانے کا جسے مسواک مارنے والے نے اسلام سمجھ رکھا تھا- بظاہر اس کا یہ دینی فعل تھا مگر یہ دین کا نہ رہا بلکہ دنیا کا بن گیا- کیونکہ قشر دنیا سے تعلق رکھتا ہے دین سے تعلق رکھنے والی چیز مغز ہے- اسی طرح اگر کوئی انسان نماز میں ظاہری حرکات کی حد سے زیادہ پابندی کرتا ہے اور خلوص اور محبت الٰہی کو نظرانداز کرکے ہروقت اسی فکر میں رہتا ہے کہ اس کی کمر اتنی جھکنی چاہئے- اس کے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں ذرا بھی اِدھر اُدھر نہ ہوں اور وہ اسی اُدھیڑبُن میں اپنا وقت گزار دیتا ہے تو اس کی نماز دینی کام نہ رہا بلکہ دنیا کا کام بن گیا- ایسا شخص جب نماز پڑھ رہا ہو تو بظاہر دینی فعل کر رہا ہو گا مگر دراصل وہ اپنا تمام وقت دنیا کے کام میں صرف کر رہا ہو گا- اس کے مقابلہ میں ایک اور شخص جو بظاہر دنیا کا کام کر رہا ہو لیکن اس کے مدنظر خدا تعالیٰ کی رضاء ہو' اس کا کام دین میں شمار ہو گا- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بارہا فرمایا کرتے تھے کہ صوفیاء کا مشہور مقولہ ہے مومن کی یہ حالت ہونی چاہئے کہ "دست در کار و دل بایار-" ایسا انسان بظاہر تجارت کر رہا ہوتا ہے یا صنعت و حرفت کا کام کر رہا ہوتا ہے مگر اس کا سودا کرنا بھی خدا کی محبت کو ابھارنے والا ہوتا ہے- اور اس کا تجارت کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی رضاء کو کھینچتا ہے-

سید عبدالقادر صاحب جیلانی کے متعلق لکھا ہے وہ ہمیشہ نہایت فاخرہ لباس پہنا کرتے اور اچھے سے اچھا کھانا کھایا کرتے- ان پر کسی نے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا میں تو اس وقت تک کپڑا نہیں پہنتا جب تک خدا مجھے نہیں کہتا اے عبدالقادر! تجھے میری ہی ذات کی قسم فلاں قسم کا کپڑا پہن- اور میں نہیں کھاتا جب تک خدا تعالیٰ مجھے نہیں کہتا اے عبدالقادر! تجھے میری ہی ذات کی قسم فلاں قسم کا کھانا کھا[۲]- اب وہی لباس اور وہی کھانا جو ایک دوسرے انسان کے لئے دنیا ہے سید عبدالقادر صاحب جیلانی کے لئے دین بن گیا- کیونکہ جب خدا تعالیٰ کسی کام کے لئے کہے کہ ایسا

کر‘ تو وہ دین نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر ایک شخص نماز اس لئے پڑھتا ہے کہ ان کے دوست کہتے ہیں کہ تُو نماز پڑھا کر یا یہ کہ اگر اس نے نماز نہ پڑھی تو لوگ اعتراض کریں گے کہ تُو بے نماز ہے وہ تو نماز پڑھ کر دنیا کماتا ہے اور دین حاصل نہیں کرتا۔ اسی طرح میں نے دیکھا ہے لوگ حج کو جاتے ہیں مگر اکثر اس لئے جاتے ہیں کہ حاجی کہلائیں اور لوگ ان سے خوش ہو جائیں۔ ایسے لوگ بھی دین کا کام کر کے دنیا کماتے اور دین سے دور ہو جاتے ہیں۔

میں جب حج کو گیا تو میں نے ایک شخص دیکھا کہ وہ منیٰ کو جاتے ہوئے جب خصوصیت سے اس بات کا حکم ہے کہ تسبیح و تحمید کی جائے‘ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو اور عام باتیں نہ کی جائیں نہایت ہی گندے عشقیہ اشعار پڑھتا جا رہا تھا۔ اتفاق سے آتے وقت ہم جہاز میں اکٹھے ہو گئے۔ میں نے اس وقت دریافت کیا تو وہ کہنے لگا میں حج کے لئے نہیں آتا تھا۔ مجھے تو میرے باپ نے مجبور کر کے یہاں بھیج دیا۔ وجہ یہ کہ ہمارے اردگرد جس قدر دکان دار ہیں وہ سب حاجی بن گئے ہیں اور لوگ ان سے زیادہ خرید و فروخت کرتے ہیں۔ میرے باپ نے مجھے بھیجا کہ میں بھی حاجی بن جاؤں تا لوگ ہمارے ہاں سے مال خریدیں۔ اس شخص کی اخلاقی حالت یہاں تک گری ہوئی تھی کہ ایک نابینا شخص نے چالیس روپے اس کے پاس امانت رکھے مگر وہ کھا گیا۔ حالانکہ وہ مالدار تھا اور جو حالات اس نے بیان کئے ان سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ لکھ پتی ہے۔ مگر باوجود اس کے وہ ایک اندھے کے چالیس روپے امانت کے کھا گیا اور اسے کچھ بھی حیا نہ آئی بلکہ اپنے آپ کو ایسا دیندار سمجھتا تھا کہ جب اسے پتہ لگا کہ میں کون ہوں اور کہاں کا رہنے والا ہوں تو ایک دن جبکہ میں تختہ جہاز پر ٹہل رہا تھا وہ مجھے دیکھ کر اونچی آواز سے کہنے لگا میں حیران ہوں ایسا شخص اس جہاز پر ٹہل رہا ہے اور پھر بھی یہ جہاز غرق نہیں ہوتا۔ مجھے اس کی اس بات پر ہنسی آئی اور میں نے دل میں کہا کہ آخر یہ خود بھی تو اسی جہاز پر ٹہل رہا ہے۔ غرض ایسا حج اگرچہ بظاہر دین کا کام دکھائی دیتا ہے مگر یہ دین کا کام نہیں بلکہ دنیا کا ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض دنیاوی کام ہوتے ہیں کہ وہ ایک وقت میں دینی ہو جاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیمار ہوئے۔ آپ کو بخار اور سخت کھانسی کی تکلیف تھی۔ اس قدر کھانسی کہ ڈاکٹر عبدالحکیم نے یہ سن کر اعلان کر دیا کہ ان کو سِل ہو گئی ہے۔ اور یہ اسی مرض سے فوت ہوں گے۔ عبدالحکیم کا چونکہ شیطان سے تعلق تھا اور شیطان کا کام ہی ہے کہ وہ جھوٹی خبریں دیا کرتا ہے اور وہ بھی واقعہ کے بعد اس لئے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیمار ہوئے شدید کھانسی اور بخار کی تکلیف ہوئی یہ خبر سن کر عبدالحکیم نے

اعلان کر دیا کہ ان کو سِل ہو گئی ہے۔ غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سخت کھانسی تھی اور چونکہ دوائی میں پلایا کرتا تھا اس لئے مجھے آپ کی حالت معلوم ہوتی رہتی تھی۔ ایک دن کوئی دوست آئے اور کچھ پھل بطور تحفہ لائے۔ حضرت مسیح موعود اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے پوچھا کیا پھل ہے۔ میں نے عرض کیا کیلا ہے اور سنگترہ یا کوئی اور چیز جو اس وقت مجھے یاد نہیں رہی۔ لیکن وہ نزلہ پیدا کرنے والی تُرش چیز تھی۔ آپ نے فرمایا کہ لاؤ مجھے کھانے کے لئے دو۔ میں چونکہ دوائی پلایا کرتا تھا اس لئے میں اپنے آپ کو ڈاکٹری کا ماہر خیال کرتا تھا۔ میں نے کہا آپ کو سخت کھانسی ہے اور یہ چیزیں کھانسی میں مُضِر ہوتی ہیں اس لئے آپ نہ کھائیں۔ مگر آپ مسکرائے اور فرمایا نہیں میں کھانا چاہتا ہوں۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو میں نہ مانتا مگر چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد تھا اس لئے میں نے پھل پیش کر دیا اور آپ کھانے لگے۔ میں دل میں کڑھتا کہ اب آپ کو کھانسی کی زیادہ تکلیف ہو جائے گی۔ مگر آپ کھاتے جاتے اور مسکراتے جاتے۔ جب کھا چکے تو فرمایا مجھے ابھی کھانسی کے دور ہونے کے متعلق الہام ہوا تھا۔ چونکہ الہام یہ بتاتا تھا کہ اب کھانسی جاتی رہی ہے اس لئے اس وقت میرا پرہیز کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہوتا۔ اب دیکھو وہی پھل جو عام انسان کے لئے کھانا دنیا ہے اور وہی پھل جس کا نزلہ اور کھانسی کے مریض کے لئے کھانا منع ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے ثواب کا موجب بن گیا اور ہمارے لئے ایمان کی ترقی کا باعث ہوا۔ غرض یہ ایک عام جہالت ہے جو اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہے کہ وہ دین اور دنیا کے کاموں کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ اور مجھے افسوس ہے کہ ہماری جماعت کے بعض لوگ بھی اس غلط فہمی میں مبتلاء ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ محض الفاظ ہوتے ہیں کہ یہ کام دین کا ہے اور یہ دنیا کا۔ اور وہ اس امر کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ساری دینی چیزیں ایک وقت میں دنیاوی بن جاتی ہیں اور ساری دنیاوی چیزیں ایک وقت میں دینی ہو سکتی ہیں۔ حالات کے مطابق ان باتوں میں تغیّر ہوتا رہتا ہے۔ اور پھر ان کی بھی آگے اقسام ہیں اور ان اقسام کی آگے اقسام ہیں۔ اور انہیں کے صحیح طور پر جاننے کا نام عرفان ہے۔ یہی چیزیں جن کو عام لوگ نہیں سمجھتے جب ایک انسان ان پر غور کرتا اور سمجھ لیتا ہے تو وہ عارف بن جاتا ہے۔ ابھی جب ہم ڈلہوزی سے آرہے تھے مفتی صاحب میرے ساتھ تھے۔ کوئی بات انہوں نے نجات کے متعلق کی۔ میں نے کہا میں تو سمجھتا ہوں کہ عرفان کے ساتھ ہی نجات کا مفہوم بھی بدلتا جاتا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر الٰہی صفات کے مطابق ہم حقیقی نجات کی تفصیلات کو بیان کرنا شروع کریں تو کوئی اپنے آدمی بھی

ہمیں ملحد اور کافر کہنے لگ جائیں۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ صفات الٰہیہ کے ماتحت ہم جو نجات کا مفہوم دیکھتے ہیں وہ بالکل مختلف ہے اس سے جو عام لوگ سمجھ رہے ہیں۔ عام آدمی صرف اتنا ہی دیکھتے ہیں کہ میں فلاں پارٹی میں ہوں اور دوسرا شخص فلاں پارٹی میں۔ پس میرا جنت حاصل کرنے کا حق ہے لیکن دوسرا دوزخ میں جائے گا۔ حالانکہ اگر ہم اس امر کو صفات الٰہیہ کے ماتحت دیکھیں تو بسااوقات جسے کوئی دوزخ کا اہل قرار دے رہا ہو گا جنت کا وارث ہو جائے گا۔ اور جنت کا اپنے آپ کو حقدار سمجھنے والا دوزخ میں گر جائے گا۔ اور ایسا ہوتا بھی ہے۔ لیکن کئی نادان ایسے ہوں گے کہ اگر میں اس کی مزید تشریح کروں تو وہ کہیں گے اس میں کچھ الحاد کا رنگ پایا جاتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت ان کا ایسا کہنا اس بات کا نتیجہ ہو گا کہ انہیں خدا تعالیٰ کی صفات پر نگاہ دوڑانے کا موقع نہیں ملا اور مجھے خدا تعالیٰ کی مختلف صفات دیکھنے کا موقع مل گیا۔ پس وہ ایماندار تو کہلائیں گے لیکن ان میں اور مجھ میں وہی فرق ہو گا جو بینا اور نابینا میں ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکیوں اور بدیوں کی اتنی اقسام ہیں اور حالات کے مطابق جو ان میں تغیّر ہوتا ہے وہ اتنا وسیع ہے کہ بسااوقات جس کو ہم نیکی سمجھ رہے ہوتے ہیں بدی ہوتی ہے۔ اور بسااوقات جس کو ہم بدی سمجھ رہے ہوتے ہیں نیکی ہوتی ہے۔ کئی بے وقوف ایسے ہیں جو اب بھی کہہ دیتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ بات کہ آپ اچھے کپڑے پہن لیتے اور اچھا کھانا کھالیا کرتے تھے ہماری سمجھ میں نہیں آتی اور اس اعتراض کا حل بڑا مشکل ہے حالانکہ یہ محض جہالت کی بات ہے۔ بسااوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک کے لئے جو چیز بدی ہوتی ہے دوسرے کے لئے نیکی ہو جاتی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا فلاں کے ہاتھ میں مَیں کسریٰ کے کنگن دیکھتا ہوں[۴]۔ اور جس کے متعلق آپ نے فرمایا وہ عورت نہیں بلکہ مرد تھا۔ اور مردوں کے لئے کنگن پہننا ناجائز ہے۔ مگر رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں نے ایسے دیکھا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو رسول کریم ﷺ نے ریشمی جُبّہ دیا۔ آپ اسے پہن کر مجلس میں آئے۔ جب رسول کریم ﷺ نے دیکھا تو آپ کا چہرہ مبارک غُصّہ سے سُرخ ہو گیا۔ اور آپؐ نے فرمایا یہ کیا کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ! آپ نے ہی تو مجھے یہ ریشمی جبہ دیا تھا۔ آپ نے فرمایا دینے کے یہ معنے تو نہیں تھے کہ خود پہن لو[۵]۔ اب دیکھو وہی رسول کریم ﷺ جو یا تو ریشم کا جُبّہ پہننے پر ناراض ہوتے ہیں یہ فرماتے ہیں کہ فلاں شخص کے ہاتھ میں میں کسریٰ کے کنگن دیکھتا ہوں۔ آخر ایک زمانہ آیا کہ کسریٰ کی حکومت کو مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی اور کسریٰ کے کنگن مال

غنیمت میں آئے۔ اس وقت وہی عمر جو ریشم کا جبہ پہننے پر زجر کھا چکے تھے اس شخص کو بلاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ کنگن پہن لو۔ وہ صحابی پروٹسٹ کرتا اور کہتا مردوں کے لئے کنگن پہننا ناجائز ہے۔ مگر آپ کہتے میں جائز ناجائز نہیں جانتا۔ انہیں پہنو ورنہ میں کوڑے ماروں گا۔ میں نے رسول کریم ﷺ سے تمہارے متعلق سنا ہے کہ آپ نے تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھے آخر اسے کنگن پہنائے گئے[۵]۔ غرض وہی کنگن جو میرے اور تمہارے ہاتھ میں گناہ بن جاتے ہیں اس صحابی کے ہاتھ میں ثواب کا موجب ہو گئے۔ پس عارف انسان وہی ہوتا ہے جو ہر چیز کی حقیقت سمجھ کر اس کے مطابق سوچتا اور عمل کرتا ہے۔ اور انسان اور جانور میں یہی فرق ہے کہ انسان موقع اور محل دیکھ کر کام کرتا ہے۔ مگر جانور کے لئے ایک راستہ مقرر ہے جس پر وہ بلا سوچے سمجھے چلا جاتا ہے۔

میں نے پچھلے دنوں جب کشمیر کا کام شروع کیا تو کئی اپنی جماعت کے لوگ مجھے کہتے کہ یہ دنیا کا کام ہے اس میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کی بینائی ہوتی تو وہ سمجھتے کہ یہ دنیا کا کام نہیں بلکہ دین کا کام ہے۔ اسی طرح کئی اور ایسے کام ہیں جو دنیا کے نظر آتے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ دین کے ہیں اور جب میں ان میں دخل دوں تو بعضوں کو ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ مگر میں ایسے موقعوں پر ان کی ٹھوکر کی پرواہ نہیں کیا کرتا کیونکہ ہم کسی کے اعتراض کرنے سے سچائی کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اگرچہ اس وقت میرے ذہن میں کئی ضروری باتیں ہیں مگر میں دوستوں کو ایک خاص بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں جس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بہت توجہ دلائی ہے۔ مگر کئی دوست ایسے ہیں کہ وہ اسے بھی دنیا کا کام خیال کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس امر پر بہت ہی زور دیا ہے اور اتنا زور دیا ہے کہ اس پر عمل کرنا دین کی باتوں پر عمل کرنے کے مترادف ہو گیا ہے کہ ملک سے فتنہ و فساد کی روح کو مٹانا اور امن شکن تحریکات کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فخریہ لکھا ہے کہ میری کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں میں نے گورنمنٹ کی تائید نہ کی ہو۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ میں نے غیروں سے نہیں بلکہ احمدیوں کو یہ کہتے سنا ہے میں انہیں احمدی ہی کہوں گا کیونکہ نابینا بھی آخر انسان ہی کہلاتا ہے کہ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایسی تحریریں پڑھ کر شرم آجاتی ہے۔ انہیں شرم کیوں آتی ہے اس لئے کہ ان کی اندر کی آنکھ نہیں کھلی۔ اگر ان کی اندرونی آنکھ کھلی ہوتی تو وہ سوچتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تائید کے

بدلہ میں انگریزوں سے کیا حاصل کیا۔ دنیا میں جو شخص کوئی تعلیم دیتا یا کسی کی تائید کرتا ہے تو وہ عموماً کسی فائدے کے لئے ہی کرتا ہے یا کوئی بات اس لئے بری یا شرم والی کہلا سکتی ہے کہ اس میں ہمارا ذاتی فائدہ ہو۔ مگر کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی اس کے بدلہ میں گورنمنٹ سے کوئی ذاتی فائدہ حاصل کیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بجائے کوئی فائدہ اٹھانے کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی تمام زندگی میں گورنمنٹ سے تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ کبھی مقدمات آپ پر دائر رہے، کبھی مکانات کی تلاشیاں ہوئیں، کبھی پولیس والے آموجود ہوتے، کبھی کوئی شاخسانہ کھڑا کر دیا جاتا اور کبھی کوئی اور۔ اس طرح ساری عمر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام انگریزی حکومت سے تکلیف اٹھاتے رہے۔ مگر باوجود اس کے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کبھی کوئی فائدہ نہ پہنچا اور باوجود اس کے کہ ہمیشہ آپ کو تکلیفیں دی جاتی رہیں، آپ ہمیشہ ملک میں فساد کو روکنے اور امن شکن تحریکات کو کچلنے کی تعلیم دیتے رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے قریب جا کر انگریزوں میں ایک شخص پیدا ہوا اور وہ پہلا شخص تھا جس نے انگریزوں میں سے محسوس کیا کہ احمدیہ جماعت پر اس کی عظیم الشان خدمات کے باوجود بے انتہاء ظلم کیا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اسے بھی زیادہ دیر زندہ رہنا نصیب نہ ہوا۔ وہ سابق گورنر پنجاب سر ڈینزل ایبٹسن تھے۔ ان سے پہلے ہر احمدی کو باغی سمجھا جاتا رہا اور خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ لوگ حکومت کا باغی سمجھتے رہے۔ گو ظاہر میں ایسا نہیں کہتے تھے، مگر حقیقت یہ ہے کہ انگریز پہلے یہی خیال کرتے تھے کہ احمدیہ جماعت باغیوں کا گروہ ہے اور یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام گو ظاہر میں گورنمنٹ برطانیہ سے وفاداری کا اظہار کرتے ہیں مگر درپردہ حکومت کے خلاف ہیں۔ سر ڈینزل ایبٹسن جب گورنر ہوئے تو انہوں نے کہا افسوس ہے کہ وہ جماعت جو سب سے زیادہ گورنمنٹ کی وفادار تھی اس پر سب سے زیادہ ظلم کیا گیا۔ اور چونکہ وہ بیماری میں ہی گورنر ہوئے تھے اس لئے کہنے لگے اگر خدا نے مجھے زندگی دی تو میں اس ظلم کے ازالہ کی کوشش کروں گا۔ لیکن وہ اس بیماری سے جان بر نہ ہو سکے اور جلد ہی فوت ہو گئے۔ اس لحاظ سے کہ انہوں نے ان مظالم کو جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہوئے محسوس کیا ہمارے دل میں ان کی عزت بہت سے گورنروں، وائسراؤں بلکہ کئی بادشاہوں سے بھی زیادہ ہے اور ہم ان کا بہت زیادہ ادب اور احترام کرتے ہیں۔ پس اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گورنمنٹ سے ذرہ بھر بھی فائدہ نہ ہوا پھر

بھی آپ نے گورنمنٹ کی تائید کی اور اپنی ہر کتاب میں اس کا ذکر کیا۔ اس میں شبہ نہیں حالات کے بدلنے سے بعض تبدیلیاں بھی ہو جاتی ہیں اور میں اس امر کا قائل ہوں۔ مگر دنیا میں کبھی اصول نہیں بدلا کرتے۔ جب ملک میں فتنہ و فساد برپا ہو جب لوٹ مار اور قتل کے واقعات ہو رہے ہوں اور جب بے گناہوں پر بلاوجہ گولیاں چلائی جاتی اور دہشت انگیزی کے حادثات رونما ہوتے ہوں، اس وقت ہر مومن کا کام ہے کہ وہ اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے کھڑا ہو اور وہ اس وقت تک چین نہ لے جب تک ایسی امن شکن تحریکات کا کلی طور پر سدباب نہ ہو جائے۔

گزشتہ سالوں میں جب کانگرس زوروں پر تھی اس وقت میں نے اپنی جماعت کے دوستوں سے کہا تھا کہ وہ اس تحریک کا مقابلہ کریں اور یہ میں نے اسی لئے کہا تھا کہ میرے نزدیک ملک کا امن نہایت ضروری چیز ہے اور فتنہ و فساد کو مٹانا مؤمنوں کا فرض ہے۔ اسی طرح جب میں نے بعض سیاسی معاملات میں دخل دینا شروع کیا تو اس لئے نہیں کہ وہ سیاسی تھے بلکہ اس لئے کہ میں انہیں دین کا جزو سمجھتا تھا۔ میں نے دیکھا جب میں نے سیاسیات میں حصہ لینا شروع کیا تو جماعت کے کئی دوست بھی اس پر معترض ہوئے اور بعض دوسرے لوگ خیال کرتے تھے کہ مجھے سیاسیات سے واقفیت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ مجھے یاد ہے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے ایک دوست کے متعلق سنایا۔ وہ اب تو احمدی ہو چکے ہیں لیکن اس وقت غیر احمدی تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ میں نے بھی سیاسیات میں حصہ لینا شروع کر دیا ہے تو کہنے لگے میں نہیں سمجھ سکتا ریل سے بارہ میل کے فاصلے پر رہنے والا ایک شخص سیاسیات سے واقف ہی کس طرح ہو سکتا ہے (اس وقت قادیان میں ریل نہ آئی تھی)۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے آہستہ آہستہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ اپنے تو علیحدہ رہے غیر بھی اس امر کو محسوس کر رہے ہیں کہ میں سیاست سمجھتا ہوں۔ اور یہ اس لئے کہ میں سیاست کو دینی نقطہ نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ چونکہ اسلام کے اصول نہایت پکے ہیں اس لئے جب میں اسلام کے اصول کے ماتحت کسی علم کو دیکھتا ہوں تو اس کا سمجھنا میرے لئے نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ کوئی علم ہو خواہ وہ فلسفہ ہو یا علم النفس ہو یا سیاست ہو میں اس پر جب بھی غور کروں گا ہمیشہ صحیح نتیجہ پر پہنچوں گا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کا کوئی علم ایسا نہیں جس کے اصول کو میں نہ سمجھتا ہوں۔ بغیر اس کے کہ میں نے ان علوم کی کتابیں پڑھی ہوں مجھے خدا تعالیٰ نے ان کے متعلق علم دیا ہے اور چونکہ میں قرآن کے ماتحت ان علوم کو دیکھتا ہوں اس لئے ہمیشہ صحیح نتیجہ پر پہنچتا ہوں اور کبھی ایک دفعہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے اپنی رائے کو تبدیل

نہیں کرنا پڑا۔ بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ ان علوم کو جاننے والوں سے میری گفتگو ہوئی اور گفتگو کے بعد انہوں نے کہا کہ آپ کا مطالعہ اس علم میں نہایت وسیع معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ میں نے اس علم کے متعلق ایک کتاب بھی نہیں پڑھی تھی۔ غرض میں نے قرآن مجید کے ماتحت ہر علم کو دیکھا اور اس کی وجہ سے اب مجھے قرآن مجید سے باہر کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ سوائے ان تفاسیر کے جو آنحضرت ﷺ یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیں۔ اور وہ بھی قرآن کا ایک حصہ ہی ہیں اس سے باہر نہیں۔ اگرچہ پھر بھی کئی باتیں ایسی ہیں جو ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئیں جن کا مجھ سے زیادہ عرفان تھا انہیں ان کا علم تھا۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا طب کے تمام اصول قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں اور دنیا کی تمام امراض کا علاج قرآن مجید میں موجود ہے۔ ہو سکتا ہے مجھے اس طرح قرآن مجید پر غور کرنے کا موقع ہی نہ ملا ہو اور ممکن ہے میرا عرفان ابھی تک اس حد تک نہ پہنچا ہو۔ مگر بہرحال اپنا عرفان اور اپنے بڑوں کا تجربہ ملا کر میں کہہ سکتا ہوں کہ قرآن مجید سے باہر ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

غرض میں نے سیاسی امور میں جب بھی دخل دیا ہے قرآن مجید کے ماتحت دیا ہے۔ اس لئے مجھے کبھی بھی اپنی رائے بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ بسا اوقات ایسا تاریک وقت آیا کہ لوگوں نے کہا اب نہایت نازک گھڑی ہے اور بسا اوقات مجھے دوستوں نے کہا کہ اب آپ کو اپنی رائے بدل لینی چاہئے مگر معاً خدا تعالیٰ ایسے سامان پیدا کرتا رہا کہ مجھے اپنی رائے میں تبدیلی کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے میں نے خطبہ جمعہ میں ذکر کیا تھا کہ مجھے کشمیر کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کام کرتا دکھائی دے رہا ہے۔ جب میں نے یہ خطبہ پڑھا تو اس کے تیسرے ہی دن کشمیر میں خطرناک فساد برپا ہو گیا۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا گویا ہماری تمام تدبیروں کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ اور جتنا کام اب تک کیا گیا ہے وہ سب خراب ہو جائے گا۔ لیکن میں سمجھتا تھا اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ چنانچہ ایک مہینہ تک سخت تاریک حالات رہنے کے بعد معاً حالات بدل گئے اور یوں حالت ہو گئی کہ گویا فساد ہوا ہی نہیں تھا۔ کشمیر میں جس وقت حالات خراب ہوئے میں نے اسی وقت دوستوں سے کہہ دیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے، میرے لئے بھی اور دوستوں کے لئے بھی۔ میرے لئے ان معنوں میں کہ آیا میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں یا نہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو رہا ہے اور دوستوں کے لئے اس لحاظ سے کہ ان کی ایمانی کیفیت کا اظہار ہو جائے۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ساری عمر امن شکن تحریکات کے سدباب کی کوشش فرماتے رہے اور ہمیشہ ملکی امن کو ضروری قرار دیتے رہے۔ میں نے بھی دوستوں کو ہمیشہ کانگرس کی تحریکات کے متعلق یا جو بھی فساد کی تحریکیں ہوں یہ نصیحت کی ہے کہ ان سے بچیں اور نہ صرف ہمارے دوستوں کو ان تحریکات میں مبتلاء ہونے سے بچنا چاہئیے بلکہ ان کا پورے استقلال کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہئیے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت کے دوستوں میں یہ نقص ہے کہ وہ بات کو جلدی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ابھی مجھے یہ مضمون سمجھانے کے لئے اتنی لمبی تمہید بیان کرنی پڑی ہے۔ جو میرے اصل مضمون سے بھی زیادہ ہوگی اور میں دیکھتا ہوں کہ ابھی ہمارے دوستوں کو اس امر سے واقفیت نہیں کہ دین و دنیا کا میدان مخلوط ہے۔ ایک ہی وقت میں ایک چیز جو ساری کی ساری دنیا ہوتی ہے دوسرے وقت میں ساری کی ساری دین ہو جاتی ہے۔ مگر پھر بھی کئی دوست ایسے ہیں جو اس لئے ان امور میں دلچسپی نہیں لیتے کہ وہ خیال کرتے ہیں یہ دنیوی کام ہیں ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ اپنے آپ کو اور لوگوں سے کچھ کچھ بالا سمجھتے ہیں۔ ان کی مثال بالکل اُن نمبرداروں کی سی ہوتی ہے جن کا ذکر حضرت خلیفہ اول فرمایا کرتے تھے۔ مجھے آپ کا یہ لطیفہ ہمیشہ یاد آتا ہے۔ آپ جب کبھی زیادہ بیمار ہوتے تو فرماتے دوست تشریف لے جائیں۔ اس پر ایک تہائی لوگ چلے جاتے اور باقی بیٹھے رہتے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ پھر فرماتے دوست تشریف لے جائیں اس پر ایک تہائی اور چلے جاتے۔ جب آپ دیکھتے اب بھی بعض لوگ بیٹھے ہیں تو پھر آپ فرماتے اب نمبردار بھی چلے جائیں۔ مطلب یہ کہ ایسے لوگ جو سمجھتے ہیں کہ ہم مخاطب نہیں وہ گویا اپنے آپ کو نمبردار قرار دیتے ہیں۔ مجھے اس نظارہ کے دیکھنے کا اس طرح موقع مل جاتا کہ جب آپ فرماتے دوست اٹھ کر چلے جائیں اور میں بھی اٹھتا تو آپ فرماتے آپ بیٹھے رہیں میرا مطلب آپ سے نہیں۔ اس لئے مجھے کئی دفعہ آپ سے یہ فقرہ سننے کا موقع مل گیا۔ تو بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ہر خطبہ ہر لیکچر اور ہر وعظ کے متعلق خیال کرتے ہیں کہ ہم نمبرداروں کے لئے نہیں۔ حالانکہ خطبہ سب کے لئے ہوتا ہے۔ پس ہر ایک کو یہ سمجھنا چاہئیے کہ میں ہی اس کا اصل مخاطب ہوں۔ میں دیکھتا ہوں ہمارے ملک کا امن ایک لمبے عرصہ سے اس طرح برباد ہو رہا ہے کہ میں جب بھی اس پر غور کرتا ہوں مجھے اپنے ملک کا نہایت ہی تاریک مستقبل نظر آتا ہے۔ ایک طرف میں کانگرس کو دیکھتا ہوں کہ اس کے اصول اتنے خطرناک اور فساد پیدا کرنے والے ہیں کہ اگر ہم انہیں مان لیں تو بجائے دنیا میں امن قائم ہونے کے فتنہ و فساد پھیل جائے۔

دوسری طرف میں ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو گورنمنٹ کے خیر خواہ کہلاتے ہیں کہ وہ حد درجہ کے لالچی، دنیادار، خود غرض اور قوم فروش ہیں۔ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ۔ میں کسی قوم کے تمام افراد کو ایسا نہیں سمجھتا۔ اس کے مقابلہ میں میں کانگرس کے ایک طبقہ کو دیکھتا ہوں کہ اس میں ایثار، قربانی اور سچا اخلاص پایا جاتا ہے۔ بے شک کانگرسیوں کے اصول سے مجھے اختلاف ہے لیکن اگر میرے سامنے ذاتی دوستی کا سوال ہو تو میں ایک کانگرسی کو گورنمنٹ کے خوشامدی پر ترجیح دوں گا۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ یہ گورنمنٹ کے خیر خواہ کہلانے والے حد درجہ کے خود غرض لالچی اور نفس پرست واقع ہوئے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں مجھے جن کانگرسیوں سے ملنے کا موقع ملا ہے میں نے دیکھا ہے کہ ہندوؤں میں زیادہ اور مسلمانوں میں بہت کم ایسے لوگ ہیں جو یقیناً خیر خواہی اور سچے دل سے اپنے ملک کے لئے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اور گو وہ غلط اصول پر قائم ہیں مگر ان کے دل میں ملکی ہمدردی موجزن ہے۔ مگر صحیح اصول پر چلنے والے اتنے نفس پرست واقع ہوئے ہیں کہ اگر انہیں ذاتی فوائد کے لئے اپنے ہاتھوں سے ملک کو بھی دینا پڑے تو یہ ملک کو بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ بڑا معیار ترقی کا ان کے نزدیک یہ ہے کہ خان بہادر بن جائیں یا خان صاحب کا خطاب حاصل ہو جائے اور اگر اس میں انہیں کامیابی حاصل ہو جائے تو یوں ان کی توند پھولنا شروع ہو جائے گی کہ گویا ساری چربی ان کے پیٹ میں آگئی ہے۔ محض دغا، محض جھوٹ، محض فریب اور محض خود غرضی سے گورنمنٹ میں جھوٹی رپورٹیں لکھواتے ہیں اور اسی طرح اپنی قوم اور اپنے ملک کو فروخت کرنے کے مجرم بنتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اگر کانگرس کی اب تک اصلاح نہیں ہوئی تو اس میں بہت کچھ دخل ان خود پرست لوگوں کا بھی ہے جو محض اپنی ذاتی عزت کے حصول کے لئے قوم اور ملک کو برباد کرنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور عزت بھی کیسی صرف نام کی۔ بھلا کسی کو سر کا خطاب مل جانے سے کون سی بڑائی حاصل ہو جاتی ہے۔ حقیقتاً کچھ بھی نہیں ملتا۔ مگر نہ ملنے کے باوجود وہ ایسے خطابات کے حصول کے لئے ملک بیچنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

پچھلی ہی دفعہ جب میں شملہ گیا تو مجھے ایک سر کے متعلق بتایا گیا کہ اسے سر کا خطاب کس طرح ملا۔ ایک مسودہ قانون تھا جس کے متعلق گورنمنٹ چاہتی تھی کہ پاس ہو جائے مگر ممبروں میں سے اکثر اس کے مخالف تھے۔ گورنمنٹ نے اپنے ساتھ ممبر ملانے کی بہت کوشش کی مگر دو ممبر پھر بھی زیادہ رہے۔ ایک شخص نے گورنمنٹ سے کہا کہ میں اس میں مدد دیتا ہوں۔ ایک تو اس کا اپنا ہی

عزیز تھا اس پر زور دیا اور اس نے ووٹ گورنمنٹ کو دے دیا۔ صرف ایک ممبر رہ گیا۔ جس دن یہ مسودہ پیش ہونا تھا اس دن چالاکی سے اس نے اس ممبر سے کہا کہ آپ ہماری موٹر پر ہی وہاں تشریف لے جائیں۔ وہ سوار ہو گئے۔ اس نے اپنے موٹر ڈرائیور کو سکھلا دیا تھا کہ نئی اور پرانی دہلی کے درمیان موٹر کو اس طرح خراب کر دینا کہ موٹر بالکل چل نہ سکے۔ چنانچہ موٹر ڈرائیور نے ایسا ہی کیا۔ موٹر کا ایک پُرزہ توڑ دیا۔ اور پھر وہاں گھنٹہ بھر درست کرنے کے بہانے سے ٹھہرا رہا۔ وہ ممبر بہتیرا شور مچاتا اور برا بھلا کہتا رہا مگر اس نے اس طرح اسے روکے رکھا یہاں تک کہ وقت گزر گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس ممبر کی غیر حاضری کی وجہ سے حکومت جیت گئی۔ اب حکومت کو کیا پتہ ہے کہ کس طرح کوشش کی گئی۔ اسے اس صلہ میں کہ مسودہ پاس کرانے میں اس شخص نے گورنمنٹ کی مدد کی تھی اسے سر کا خطاب دیدیا۔ ایسی باتوں کو سن کر کون شخص برداشت کر سکتا ہے کہ وہ ایسے نفس پرست لوگوں میں شامل ہو۔ پس میں سمجھتا ہوں کہ گورنمنٹ کے طرفداروں میں ایسے لوگ ہیں جو حد درجہ کے لالچی اور خود غرض ہیں اور پھر وہ نکمے ہیں۔ ان کا کام سوائے اس کے کچھ نہیں کہ گھر بیٹھ کر ریزولیوشنز پاس کر دیں۔ اس کے مقابلہ میں کانگرسی نہایت نمایاں کام کر رہے ہیں۔ اور کانگرسیوں پر ہی منحصر نہیں ایک وقت میں خلافتیوں نے بھی اپنے رنگ میں بڑے ایثار سے کام کیا ہے۔ پس کانگرسی اگرچہ ایثار سے کام لے رہے ہیں اور ملک کی محبت کی وجہ سے کام کر رہے ہیں لیکن ان کے اصول نہایت خطرناک ہیں اور اگر ان اصولوں کو دنیا میں رائج کیا جائے تو کبھی امن قائم نہ ہو سکے۔ غرض یہ دو جہنم ہیں جن میں ہمارا ملک پھنسا ہوا ہے۔ ایک طرف تو وہ خود پسند، خود غرض اور نفس پرست لوگ ہیں کہ اگر انہیں ذاتی اقتدار حاصل ہو جائے تو یہی ان کی زندگی کا منتہی ہوتا ہے۔ پھر چاہے ملک جہنم میں جائے اس کی انہیں پرواہ نہیں رہتی۔ اور دوسری طرف کانگرس کی تحریک ہے۔ گو کانگرسی ایثار سے کام لے رہے ہیں مگر ان کے اصول ایسے ہیں کہ اگر ان کو مان لیا جائے تو بھی ملک جہنم کا نمونہ بن جائے۔ پس یہ دو جہنمیں ہیں جن میں اس وقت ہمارا ملک مبتلاء ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان دونوں کا مقابلہ کریں۔ ایک طرف ہمارے اندر ایسا ایثار قربانی اور ملکی محبت کا مادہ ہونا چاہئے جو کانگرسیوں سے بھی بڑھ کر ہو۔ اور دوسری طرف ہمارے اصول وفاداری ایسے پختہ بنیادوں پر قائم ہوں کہ وہ ہر قسم کے خوشامدی لوگوں کے اصول سے بلند تر ہوں۔ ہمیں گورنمنٹ کے ان خوشامدیوں سے شدید نفرت ہونی چاہئے۔ اور ہمیں کانگرس کے اصول سے بھی شدید نفرت ہونی چاہئے۔ ہمارا معیار اس قدر بلند

ہونا چاہئے کہ ہم کسی خدمت کے بدلہ میں کسی معاوضہ کے طلب گار نہ ہوں۔ اور اپنے ملک کو بد امنی سے بچانے کے لئے کانگرسیوں سے بڑھ کر ایثار اور قربانی سے کام کریں۔

مجھے تعجب آتا ہے ابھی تک ہماری جماعت میں یہ بلندی پیدا نہیں ہوئی۔ کئی لوگ ہیں جو لکھ دیتے ہیں فلاں موقع پر میں نے گورنمنٹ کا فلاں کام کیا تھا۔ اب مجھے ضرورت ہے 'میرا فلاں کام کرا دیا جائے۔ مجھے اس وقت یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے گویا میرے مونہہ پر چپیڑ مار دی۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ سوائے کسی ذاتی فائدہ کی تمنا کے ہم کیوں کام نہیں کر سکتے۔ کشمیر کی تحریک میں ہی پندرہ بیس غیر احمدیوں کی طرف سے خط آچکے ہیں کہ اب کشمیر کا کام ہو چکا ہے ہمارے لئے ملازمت کے حصول کی کوشش کریں۔ یہ نہایت ہی افسوسناک بات ہے اور یہی ہندوستانیوں میں نقص ہے کہ اول تو وہ کام نہیں کرتے اور جب کرتے ہیں تو معاً خیال آجاتا ہے کہ ہمیں کچھ اس کے بدلہ میں ملنا چاہئے۔ حالانکہ میرے نزدیک اگر ہم کوئی کام اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں اس کے بدلے میں کچھ ملے گا تو اس کام کے کرنے سے ڈوب مرنا بہتر ہے۔ پس ہمارا مقصد بلند ہونا چاہئے اور ہمارا کام یہ ہونا چاہئے کہ ایک طرف تو کانگرس کے امن شکن اصولوں کا مقابلہ کریں اور دوسری طرف گورنمنٹ کے خوشامدیوں سے شدید نفرت رکھیں۔

آج کل بم بازی اور قتل و غارت کے اکثر واقعات ہو رہے ہیں اور بلاوجہ لوگوں کا خون بہایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ اتنی عجیب بات ہے کہ میں بعض دفعہ حیران ہو جاتا ہوں اور سوچا کرتا ہوں کہ ایک انسان دوسرے انسان کو کس طرح قتل کر سکتا ہے۔ بسا اوقات کئی کئی منٹ میں نے اس امر پر غور کیا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو کس طرح قتل کر سکتا ہے۔ اور اگر دنیا میں انسانوں کے قتل کے واقعات نہ ہوتے تو یقیناً میں ان لوگوں میں سے ہوتا جو یہ کہتے کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کو قتل کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ جس طرح ایک اور ایک کا پچیس ماننا ناممکن ہوتا ہے اسی طرح میں اس امر کو باور نہ کر سکتا۔ کیونکہ انسانی جان کوئی معمولی چیز نہیں۔ اگر ان الفاظ کو دیکھا جائے جو قرآن مجید نے استعمال فرمائے ہیں تو ان کے ماتحت انسان اللہ تعالیٰ کے ظہور کے لئے بنایا گیا ہے۔ پس اس صورت میں ایک انسان کو مارنے کے کیا معنی ہوئے۔ یہی کہ خدائی صفات کے ظہور کو مٹا دیا جائے۔ تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جس شخص کو تم نے مارا وہ ڈاکو یا بدمعاش تھا۔ کیونکہ ہم ہزاروں ڈاکوؤں اور بدمعاشوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ بعد میں نیک ہو جاتے ہیں۔ پس ایک انسان دوسرے انسان کو قتل کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ ہاں اگر عالم الغیب ہستی کا حکم ہو تو وہ دوسری

بات ہے۔ کیونکہ وہ کسی شخص کی زندگی اور موت کے فوائد بہت زیادہ سمجھتا ہے۔ پس میں نے تو اس امر پر بارہا غور کیا ہے مگر میری سمجھ میں کبھی نہیں آیا کہ ایک انسان دوسرے انسان کو کس طرح مار سکتا ہے۔ اور اگر فی الواقعہ دنیا میں قتل کے واقعات نہ ہوتے تو میں یہی سمجھتا کہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان کو قتل کر سکتا ہے۔ لیکن اس فعل کی برائی اور بھی زیادہ گھناؤنی ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص ہزاروں میل سے آیا ہو وہ ایک ملک کی خدمت کے لئے اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں سے جدا ہو کر آیا ہو اور پھر اسے اچانک ہلاک کر دیا جائے۔ حکام کو قتل کرنے والوں کی طرف سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انگریز انصاف نہیں کرتے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ انصاف کرنے کی کوشش کرتے، غریبوں کی خبر گیری کرتے اور قحط کے ایام میں ہر طرح کی آسائش بہم پہنچانے کا انتظام کرتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے ایک عورت یا مرد اٹھتا ہے اور وہ گولی سے حاکم کو مار دیتا ہے۔ اس قسم کا قتل میری سمجھ میں کبھی آیا ہی نہیں اور اگر میری قلبی کیفیات کا اندازہ لگایا جائے تو میرے نزدیک تو ایسا فعل شیطان سے سرزد ہونا بھی مشکل ہے۔ مگر نہ معلوم وہ لوگ شیطان سے بھی بُرے ہو گئے یا ان کو کیا ہو گیا کہ انہیں اس قسم کے افعال پر دلیری ہوتی چلی جا رہی ہے۔ پھر ان جرائم کی وجہ سے نتیجہ بھی خراب ہی نکلتا ہے۔ تم کسی کو ایک جرم کی اجازت دے دو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کے جرم بڑھتے ہی چلے جائیں گے۔ ایک شاعر نے کیا ہی اچھا کہا ہے کہ گوشت کی لذت گوشت کھا کر تم نہیں بھول سکتے بلکہ گوشت ترک کر کے بھول سکتے ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سارے کانگرس والے ایسا کرتے ہیں مگر میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ کانگرس والوں اور ان لوگوں میں واسطہ ضرور ہے جو اس قسم کے افعال کرتے ہیں۔ اور جہاں میں نے یہ کہا ہے کہ میں جن کانگرسیوں سے ملا انہیں ملک کے لئے قربانی کرنے والا دیکھا وہاں میں اس قدر ایزاد کرنا چاہتا ہوں کہ گورنمنٹ کے معاملہ میں میں نے ان کو نہایت سنگدل پایا۔ اور میں نے دیکھا کہ انگریزوں کے مارے جانے سے وہ نہایت ہی خوش ہوتے ہیں اور خصوصاً دشمن کے مرنے پر۔ اور اس کے لئے وہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ لڑائی میں دشمن کو مارنا کونسا جرم ہے حالانکہ لڑائی میں تو ہم دشمن کو بھی موقع دیتے ہیں کہ وہ ہمیں مارے۔ مگر یہاں تو تاریکی اور بے خبری کے عالم میں دوسرے پر حملہ کیا جاتا ہے۔ پس یہ نہایت ہی افسوسناک طرز عمل ہے۔ پھر میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ بدقسمتی سے گورنمنٹ کو یہ خیال لاحق ہو گیا ہے کہ اس نے کانگرس کی تحریک کو دبا دیا ہے۔ مجھے تعجب آتا ہے کہ ایسی منظم اور دانا گورنمنٹ کو یہ خیال

کیونکر ہو گیا۔ جبکہ حقیقت ہے کہ نہ صرف کانگرس کی تحریک کمزور نہیں ہوئی بلکہ وہ پہلے سے مضبوط ہو گئی ہے۔ کسی جماعت کی مضبوطی اس کی تنظیم پر منحصر ہوتی ہے اور کانگرس کی تنظیم اب پہلے سے بہت زیادہ ہے۔ پہلے اگر صرف شہری لوگ منظم تھے تو اب اندر ہی اندر دیہاتیوں کو بھی منظم کر رہے ہیں اور اگر آج نہیں تو کل گورنمنٹ کو محسوس ہو گا کہ کانگرس دبی نہیں بلکہ اور زیادہ قوت پکڑ گئی ہے۔ پس یہ تیسرا خطرہ اور فتنہ ہے جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ ایک تو کانگرسیوں کا گروہ ہے جو ایثار اور قربانی کا مادہ رکھنے کے باوجود غلط راستے پر گامزن ہے۔ دوسری خوشامدیوں کی جماعت ہے جو صحیح راستہ پر ہونے کے باوجود ملک سے غداری کر رہی ہے۔ اور ایک خطرہ اس گورنمنٹ کی طرف سے ہے جسے خدا نے امن کا ذمہ دار قرار دیا ہے کہ وہ خیال کرتی ہے اس نے اپنے آرڈی ننسوں کے زور سے اس تحریک کو کچل دیا اور اس بڑھتے ہوئے فتنے کو دبا دیا ہے۔ حالانکہ چور کے لئے اگر ایک کھڑکی بند کر دی گئی تھی تو اب وہ دوسری کھڑکی کی راہ سے اندر داخل ہو گیا ہے۔ حکومت نے کانگرس کے لئے ایک دروازے کو بند کر دیا اور خیال کر لیا کہ اب کانگرس اندر داخل نہیں ہو سکتی حالانکہ دوسرے دروازے کھلے ہیں اور وہ ان کے ذریعہ اندر داخل ہو رہی ہے۔

میں نے دیکھا ہے ہر سال گورنمنٹ کے کچھ افسر کانگرسی ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ آج کل افسروں کا اکثر حصہ ایسا ہے جو کانگرسی ہے۔ اور وہ اپنے عہدوں اور رسوخ کے زور سے کانگرس کی مدد کر رہے ہیں۔ مجسٹریٹ، پولیس والے، دفاتر کے کارکن غرض ہر محکمہ میں کانگرس کے حامی موجود ہیں۔ اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ گورنمنٹ کا کوئی راز ایسا نہیں ہوتا جو کانگرسیوں کو معلوم نہ ہو۔ وارنٹ گرفتاری نکلتے ہیں تو ان کی تعمیل ہونے سے قبل ہی اطلاع ہو جاتی ہے کہ فلاں شخص کی گرفتاری کے لئے حکم نکل رہا ہے۔

مجھے ایک شخص نے سنایا کہ جب پولیس والے اپنے زعم میں بے خبری کے عالم میں وارنٹ لے کر آرہے ہوتے ہیں تو ہم پہلے ہی ہار پہنا کر اس شخص کو بٹھا رکھتے ہیں جس کی گرفتاری کا وارنٹ ہوتا ہے تاکہ بتا دیں کہ ہمیں پہلے سے گرفتاری کا علم تھا۔ ان حالات میں ہماری جماعت کی ذمہ داریاں بہت ہی بڑھ جاتی ہیں۔ میں نصیحت کرتا ہوں کہ جس جس صوبہ میں اس قسم کے واقعات ہوں ان کا مقابلہ کیا جائے یعنی اس فتنہ انگیزی کی روح کا مقابلہ کیا جائے۔ ورنہ ہمیں کسی کی ذات سے کوئی رنجش نہیں ہونی چاہئے۔ میں نے کہا ہے کانگرسی ملک کے لئے خدمات سرانجام

دے رہے ہیں اور ان میں بہت سے مخلص کارکن ہیں۔ جب میں شملہ گیا تو مجھے کانگرس کے ایک پریذیڈنٹ سے جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا ملنے کا موقع ملا۔ میں نے دیکھا کہ وہ نہایت خاموش طبیعت کے اور سچے آدمی ہیں۔ ان سے لوگ ہنسی مذاق بھی کرتے مگر انہیں پتہ ہی نہ ہوتا کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ ایسے انسان سے مل کر کام کرنا یا اس سے ذاتی دوستی پیدا کرنا نہایت ہی پرلطف بات ہے۔ پس میں اگر کانگرسیوں کے مقابلہ کے لئے کہتا ہوں تو کانگرسی اصول کے لحاظ سے ورنہ دوستی کے لحاظ سے میں انہیں بہت بہتر سمجھتا ہوں۔ اور ان کی ذات سے دشمنی رکھنا غلط سمجھتا ہوں۔ نہ انگریز ہمارے سگے بھائی ہیں نہ کانگرسی سوتیلے بھائی بلکہ دونوں ہمارے بھائی ہیں۔ انسانی لحاظ سے ایک ہندو ایک انگریز میں فرق ہی کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ ایک انگریز ہے اور ایک ہندو۔ پس دونوں ہمارے بھائی ہیں اور میرے دل میں ہر قوم کے اچھے لوگوں کے لئے عزت ہے چاہے وہ مسلمان ہوں یا ہندو یا انگریز۔ ہاں جو لوگ غلط طریق اختیار کریں ہم ایسے لوگوں کے اس طریق کو بُرا کہیں گے۔ پس ہمارا کام یہ ہونا چاہئے کہ ہم پیار، محبت اور استقلال کے ساتھ ان خلافِ آئین تحریکوں کا مقابلہ کریں۔ میں اپنی جماعت کے تمام افراد کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ جہاں کہیں ہوں انارکسٹوں کی تحریک کی نگرانی رکھیں اور یہ کبھی خیال نہ کریں کہ اس کے بدلہ میں گورنمنٹ سے انہیں کیا ملے گا۔ میں تو جب کسی مونہہ سے ایسی بات سنتا ہوں مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ میری کمر ٹوٹ گئی۔ دراصل یہ ہمارا اپنا کام ہے۔ گورنمنٹ نے ملک سے فتنہ و فساد کو روکنے کی ذمہ داری خود اپنے اوپر لی ہے اور ہم پر فتنہ و فساد کے روکنے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ڈالی ہے۔ گورنمنٹ نے تو اس فرض کو اپنے سریوں لے لیا جیسے پنجابی زبان میں کہتے ہیں "آپے میں رَجی پُجی آپے میرے بچے جیون۔" مگر ہم نے تو خود بخود اس فرض کو نہیں اٹھایا بلکہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک نبی مبعوث کیا اور اس نے کہا کہ تمہارے یہ یہ فرائض ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کام ہمارے سپرد ہوا ہے تو ہمیں کسی انعام کا طالب ہو کر اسے سرانجام دینے کا خیال بھی نہیں کرنا چاہئے۔ اور ابھی تو ہندوستان میں ہی ہمیں اس فتنہ کے مقابلہ کے لئے تیاری کرنی ہے پھر نہ معلوم کسی وقت انگلستان، امریکہ، چین اور جاپان میں فسادات ہوں اور ہمیں وہاں بھی ان کے مٹانے کی سعی کرنی پڑے۔ مگر پہلے گھر والوں کا حق ہوتا ہے۔ پھر جوں جوں اللہ تعالیٰ توفیق دیتا جائے، ہمارا دائرہ عمل بھی وسیع ہوتا چلا جائے گا۔ پس میں جماعت کو پورے زور سے نصیحت کرتا ہوں کہ وہ خلاف امن تحریکات کی خبر گیری کریں اور وقتاً فوقتاً مجھے اطلاعات بھیجتے رہیں۔

گورنمنٹ کو تو یہ غلطی لگی ہوئی ہے کہ وہ خیال کرتی ہے اس نے اس فتنہ کو دبا دیا ہے۔ حالانکہ پہلے یہ ظاہر میں فتنہ تھا اب پوشیدگی میں لوگوں کے اخلاق اور ملک کے امن کو برباد کر رہا ہے اور پوشیدہ فتنہ زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ فتنہ کی مثال پھوڑے کی سی ہوتی ہے اور اندر کا پھوڑا بہت زیادہ مہلک ہوتا ہے۔ کیونکہ پتہ نہیں ہوتا کہ اس کا زہر دل کی طرف چلا جائے یا جگر کی طرف۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم ان خطرات کا مقابلہ کریں لیکن ہمارا مقابلہ امن کے ساتھ ہونا چاہئے جیسے کشمیر کی تحریک میں ہوا۔ میں نے آئینی حدود کے اندر رہتے ہوئے مقابلہ کی تحریک کی۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی۔ ورنہ میں یہاں بیٹھا ہوا کیا کر سکتا تھا۔ اگر لیڈروں کے دل خونریزی کی طرف مائل ہو جاتے تو میں کچھ بھی نہ کر سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں بھی وہی تحریک پیدا کر دی جو میرے دل میں اٹھی۔ پس نیک نیتی کے ساتھ امن کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اس تحریک کا مقابلہ کرو۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ گورنمنٹ سے ہماری رشتہ داری ہے۔ ہم وقت پر اس کی غلطیوں سے بھی اسے آگاہ کرتے ہیں۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ انگریز نہیں کوئی بھی حکومت ہو اگر کانگرس کا طریق عمل اختیار کیا جائے تو ہر حکومت کے لئے سخت مشکلات پیش آئیں گی۔ اور اس کے علاوہ ہمارے لئے تبلیغ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ میں اپنی جماعت کے تمام دوستوں کو خواہ وہ یو۔پی کے ہوں یا بنگال کے، پنجاب کے ہوں یا مدراس کے، بہار کے ہوں یا بمبئی وغیرہ کے نصیحت کرتا ہوں کہ ان کا فرض ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشن کے مطابق دنیا میں امن قائم کرنے کی کوشش کریں۔ محض لیکچروں میں زبانی اس امر کے کہنے کا کیا فائدہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں امن کا پیغام لے کر آئے تھے۔ اثر محض باتوں سے نہیں ہوتا بلکہ کام سے ہوتا ہے۔ اگر تم اپنی جانوں کو، اپنے مالوں کو اور اپنی عزیز سے عزیز متاع کو امن کے قیام کے لئے قربان کر دو تو لوگ کہیں گے یہ جو کچھ کہتے ہیں دکھاوے کے لئے نہیں کہتے بلکہ اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیتے ہیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ اس خطبہ کی اشاعت پر تمام جماعت اس فتنہ و فساد کی روک تھام کے لئے منظم کوشش عمل میں لائے گی۔ میں نے ایک سکیم بھی تجویز کی ہے جس کے ماتحت پچیس سال تک کے تمام نوجوانوں کو منظم کیا جائے گا۔ اور اس پر پہلے قادیان میں عمل شروع ہو گا اور بیرونی جماعتوں میں بعد میں۔ لیکن علاوہ اس تنظیم کے ہماری جماعت کے ہر فرد کو حکومت کی اس معاملہ میں مدد کرنی چاہئے کیونکہ امن کا قیام ہمیشہ ہی ضروری ہوتا ہے خواہ اپنی حکومت ہو خواہ

کسی غیر کی حکومت۔ اور اس معاملہ میں ہمیں ہر حکومت کی مدد کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

(الفضل ۷۔ جولائی ۱۹۳۲ء)

۱؎ بخاری کتاب اللباس باب ما اسفل من الکعبین ففی النار

۲؎ سفینۃ الاولیاء مصنفہ دارا شکوہ صفحہ ۷۳

۳؎ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جلد ۲ صفحہ ۲۶۵، ۲۶۶ مطبوعہ بیروت ۱۳۷۷ھ

۴؎ اسد الغابۃ ذکر سراقۃ بن مالک

۵؎ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جلد ۲ صفحہ ۲۶۶ مطبوعہ بیروت ۱۳۷۷ھ